POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 October 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 23-10-2026 • Price: 5/- • 1-7 November 2026 • Issue: 41 • Vol:85

یکم تا ۷/نومبر ۲۰۲۶ء • شمارہ:۴۱ • جلد:۸۵

اُردو کے قلیل الاستعمال الفاظ و مرکبات (۵)

(اردو لُغت بورڈ کی لُغت کے تناظر میں)

رؤف پاریکھ

اکڑ بکڑ (الف مفتوح، ک مشدد بفتحہ، ڑ ساکن، ب مفتوح، ک مشدد بفتحہ) (فقرہ)

اردو لغت بورڈ، فرہنگِ آصفیہ، نوراللغات، پلیٹس، فیلن، امیراللغات اور مہذب اللغات میں سے کسی نے بھی درج نہیں کیا، حالانکہ مستعمل رہا ہے اور ہماری عمر کے بہت لوگوں نے اپنے بچپن میں یہ الفاظ بولے یا سنے ہوں گے۔

اکڑ بکڑ بچوں کے کھیلوں میں مستعمل نظمیہ الفاظ کا ابتدائی ٹکڑا ہے۔ یہ الفاظ باری طے کرنے یا کھلاڑی چننے کے عمل میں بعض کھیلوں میں استعمال ہوتے ہیں اور بالعموم مقفّیٰ ہوتے ہیں۔ پہلا فقرہ مکمل صورت میں 'اکڑ بکڑ بمبے بَو' ہے، جس کا ایک املا 'اکڑ بکڑ بھمبھے بَھو' بھی ملتا ہے۔ کھیل میں ایک بچہ ان نظمیہ الفاظ میں سے ایک ایک لفظ بول کر ایک ایک بچے پر انگلی رکھتا جاتا ہے اور جس بچے پر آخری فقرے کا آخری لفظ پورا ہوتا ہے وہ منتخب ہوجاتا ہے، خواہ کھیل میں باری کے لیے خواہ کسی اور فیصلے کے لیے۔ اس طرح کے الفاظ انگریزی میں بھی رائج ہیں اور انگریزی میں 'اکڑ بکڑ بمبے بو' کے مترادف یہ الفاظ ہیں:

Eeny, meeny, miny, moe

بورڈ کو چاہیے کہ دوسرے ایڈیشن میں 'اکڑ بکڑ' کا اضافہ کرے۔ اسناد حاضر ہیں:

☆ اکڑ بکڑ بھمبھے بھو، اسّی نوّے پورے سو۔ (شاہد احمد دہلوی، اجڑا دیار، ص۶۰)

اکڑ بکڑ کی دو مزید اسناد پیش ہیں:

☆ ٹھیرو میں اکڑ بکڑ کرتا ہوں۔ جس کی باری آجائے وہی سنائے۔ (مرزا محمود بیگ کے مضامین کا انتخاب، ص۱۱۴)

☆ یا میں یا تم۔ آؤ اکڑ بکڑ کرلیں۔ (شان الحق حقی، نوک جھوک، ص۱۶۷)

پائندگی (ہمزہ مکسور، ن ساکن، دمفتوح) (اسم، مؤنث) (متبادل املا: پایندگی)

پائندہ (صفت) سے پائندگی (اسمِ کیفیت)، یعنی پائندہ ہونے کی حالت یا کیفیت۔

آصفیہ میں پائندگی/ پایندگی درج نہیں ہے اور نہ لفظ پائندہ/ پایندہ اس میں ہے۔ نور نے پایندہ (ی) درج کیا ہے لیکن پایندگی یا پائندگی کا اندراج اس میں نہیں ہے۔ یہی صورت مہذب میں ہے کہ اس میں پایندہ (ی) درج ہے لیکن لفظ پائندگی/ پایندگی اس میں بھی بار نہ پاسکا۔

بورڈ نے لفظ پائندگی (ہمزہ) درج نہیں کیا، صرف پایندگی (ی) درج کیا ہے۔ بورڈ نے پایندگی (ی) درج کرنے (جلد سوم، ص۵۵۵) کے بعد اس کے معنی دینے یا تشریح کرنے کے بجائے اسے پائندگی (ہمزہ) سے رجوع کرادیا ہے اور تین اسناد دے دی ہیں جن میں سے آخری سند تاریخِ ہندوستان (۱۸۹۷ء) سے دی گئی ہے۔ لیکن پایندگی اس کے بعد بھی رائج رہا ہے اور بعد کے دور کی سند درکار ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پایندگی (ی) کو پائندگی (ہمزہ) سے رجوع تو کرادیا گیا ہے لیکن پائندگی (ہمزہ) کو تلاش کیجیے تو اندراج ندارد۔ اردو لغت بورڈ کی لغت کی عظمت اور اہمیت اپنی جگہ، لیکن اس عظیم لغت میں موجود بعض قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کئی اندراجات ایسے ہیں جن کو دوسرے اندراج سے رجوع کرادیا گیا ہے اور بعض صورتوں میں وہ اندراج اس لغت میں وجود ہی نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ رجوع کرانے سے پہلے کم از کم مختصر معنی وہاں دے دینے چاہییں تھے تاکہ معنی تلاش کرنے والے مظلوم قاری کا مسئلہ حل ہو اور جو قاری تحقیقِ مزید کا شائق ہوگا وہ تو دیگر جلدوں میں متبادل املا کے ساتھ اندراج کو ملاحظہ کر ہی لے گا۔

خیر جناب، پائندگی (ہمزہ) کا اندراج بورڈ کی لغت میں نہیں ہے۔ امید ہے دوسرے ایڈیشن میں کردیا جائے گا۔ اسناد حاضر ہیں:

تو زندگی ہے، پائندگی ہے
باقی ہے جو کچھ، سب خاک بازی
(کلیاتِ اقبال (بالِ جبریل)، ص۲۹۷/۳۷)

پائندگیِ شوق کی قسموں کو توڑ کر
کردی تباہ عظمتِ قرآں، یہ کیا کیا
(جوش ملیح آبادی، مجمل و جرس، ص۱۷۱)

یہ تو تھیں پائندگی (ہمزہ) کی اسناد۔ چونکہ اس کا ایک املا پایندگی (ی) بھی ہے (بعض مصنفوں کے ایک ہی متن کے مختلف مطبوعہ نسخوں میں کاتبوں یا حروف کاروں نے اس کا املا بدل بھی دیا ہے) اور بورڈ نے اس کی ۱۸۹۷ء کے بعد کی کوئی سند نہیں دی اس لیے پایندگی (ی) کی ایک سند بعد کے دور سے بھی پیش ہے:

ع: اسے بھی تو ذلت کی پایندگی کے لیے آلۂ کار بننا پڑے گا
(ن۔م۔ راشد، پہلی کرن، مشمولہ ایران میں اجنبی (کلیاتِ راشد)، ص۱۳۱)

پائندہ (ہمزہ مکسور، دمفتوح) (صفت) (متبادل املا: پایندہ، اور تلفظ 'ی' مکسور بھی ہے اور 'ی' مفتوح بھی)

آصفیہ میں پائندہ/ پایندہ درج نہیں ہے، جیسا کہ اوپر پائندگی/ پایندگی کے ضمن میں عرض کیا گیا۔ نور اور مہذب نے پایندہ (ی) درج کیا ہے لیکن سند دونوں نے نہیں دی، نیز اس لفظ کا ایک متبادل املا پائندہ (ہمزہ) بھی رائج رہا ہے لیکن پائندہ (ہمزہ) کا بھی اندراج ان دونوں لغات میں نہیں ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی شاعر کے ایک متن میں پائندہ (ہمزہ) لکھا ہے تو کسی اور نسخے میں کاتب نے اسی متن کو نقل کرتے ہوئے اسے پایندہ (ی) کردیا ہے۔ بہرحال، بورڈ کی لغت تاریخی اصولوں پر مرتب کی گئی ہے اور ایک لفظ کے جتنے املا مختلف تاریخی ادوار میں رائج رہے ہیں ان سب کا اندراج تاریخی اصولوں پر مرتبہ لغت میں مع اسناد لازم ہے۔

بورڈ نے پائندہ (ہمزہ کے ساتھ) درج کرکے اس کو اسم مذکر قرار دیا ہے اور پایندہ ('ی' کے ساتھ) کو صفت۔ لیکن درحقیقت پائندہ (یا پایندہ) صفت ہی ہے اور پائندگی اسم ہے۔ بورڈ نے پائندہ (ہمزہ)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

کا اندراج تو کیا ہے (جلد سوم، ص ۵۴۵) البتہ اس کی صرف ایک سند دی ہے جو ۱۹۵۷ء کی ہے۔ اس کے دوسرے املا پائندہ (یعنی ہمزہ کے بجائے 'ی') کا بھی بورڈ کی لغت میں اندراج ہے (جلد سوم، ص ۵۵۵) اور یہاں بھی صرف ایک سند دی ہے جو ۱۹۳۲ء کی ہے۔ لیکن پائندہ / پایندہ کا استعمال اردو میں اس سے پہلے سے ہے اور بعد میں بھی ہوتا رہا ہے۔ ان دونوں کی قدیم تر اور جدید تر سند چاہیے اور اقبال کے ہاں قدیم تر سند بانگِ درا (۱۹۲۴ء) کی نظم فلسفۂ غم (۱۹۰۸ء کے بعد کا کلام) کے ایک شعر کی صورت میں موجود ہے:

عشق کے خورشید سے شامِ اجل شرمندہ ہے
عشق سوزِ زندگی ہے، تا ابد پائندہ ہے
(کلیاتِ اقبال (بانگِ درا)، ص ۱۶۷/۱۸۳)

پائندہ (ہمزہ) کی ایک اور سند:

☆ وہ پائندہ قدریں کیا ہوئیں جن کی بدولت پائندہ ادیبوں سے ہماری جان پہچان ہوتی ہے۔ (جوگندر پال سے ایک ادبی جھڑپ، نقوش، لاہور، شمارہ ۱۰۵، ۱۹۶۶ء، ص ۴۸۷)

ایک سند پایندہ (ی) کی بھی پیش ہے:

میرے وطن کے چاند ستارو!
زندہ رہو، پایندہ رہو
(منیر نیازی، ماہِ منیر، ص ۲۶)

پچھیتی (پ مکسور، یائے لین) (اسم، مؤنث)

'پچھیتی' دراصل 'اگیتی' کی ضد ہے۔ بورڈ نے درج کیا ہے اور معنی دیے ہیں: فصل جو دیر میں بوئی جائے یا دیر میں تیار ہو۔ پلیٹس نے بھی یہی دو معنی لکھے ہیں۔ پلیٹس نے اس کا ایک املا 'پچھئیت' (پ مکسور، یائے لین) بھی دیا ہے۔ بورڈ نے پچھیت کو الگ اندراج کے طور پر دیا ہے۔ آصفیہ میں پچھیتی کا اندراج نہیں ہے اگرچہ اس میں اسی مفہوم میں پچھوت کا اندراج ہے اور نور نے بھی اسی مفہوم میں پچھوت لکھا ہے۔ مہذب نے پچھیتی نہیں درج کیا۔ بورڈ نے سند کے طور پر یہ شعر دیا ہے:

ڈوب چکی ہے جن کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس ان کو پچھیتی

لیکن بورڈ کے مطابق یہ سند وادیِ مہران کی زراعت نامی کتاب سے لی گئی جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ پروف کی غلطی ہے۔ یہ دراصل حالی کا شعر ہے (کلیاتِ نظمِ حالی، ج ۲، ص ۱۰)۔ وادیِ مہران کی زراعت نامی کتاب ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی (ہمیں دست یاب نہ ہوسکی)۔ اس کتاب کی سند حروف کاری / پروف خوانی کی غلطی سے شامل ہی نہیں ہوسکی اور کتاب کا نام حالی کی سند کے ساتھ لکھ دیا گیا۔ خیر کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن اس طرح بعد کے دور کی ایک سند کی ضرورت رہتی ہے۔ بعد کے دور کی ایک سند گیان سنگھ شاطر کے ناول کی طرح لکھی گئی آپ بیتی میں ملتی ہے:

☆ اگیتی کھیتی ہوتی کہ پچھیتی (اگیتی موسم سے پہلے بوئی گئی کھیتی، پچھیتی موسم کے بعد بوئی گئی کھیتی)، زمین چاہی[1] ہو کہ بارانی، سوائی[2] ہو کہ ریتلی، جو کوئی انھیں نمی دکھا کر بیج بوتا، اس کی فصل کا حاصل عام فصل سے زیادہ ہوتا۔ (گیان سنگھ شاطر، گیان سنگھ شاطر: ناول، ص ۵۳۷)

پہلوانی (پ مفتوح، ہ ساکن، ل مفتوح نیز ساکن) (اسم، مؤنث)

اردو لغت بورڈ کی لغت میں درج نہیں ہے حالانکہ عام لفظ ہے اور فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات، مہذب اللغات، فیلن اور پلیٹس کی لغت میں موجود ہے۔ ان لغات میں پہلوانی کے یہ معنی دیے گئے ہیں:

(۱) طاقت، قوت، زور آوری۔
(۲) ورزش، کسرت، کُشتی، پہلوان کا کام؛ پہلوان ہونے کی حالت یا کیفیت۔
(۳) بہادری۔
(۴) چوتھے معنی جو ان لغات میں نہیں دیے گئے: قدیم فارسی زبان، پہلوی۔

لیکن آصفیہ اور نور نے لفظ پہلوانی کی کوئی سند نہیں دی۔ مہذب نے البتہ بحر کا ایک شعر بطور سند دیا ہے۔ لیکن بعد کے دور کی ایک سند درکار ہے جو پیش ہے:

☆ برِّ صغیر پاک و ہند کی آب و ہوا فنِ پہلوانی کے لیے موزوں ترین ہے۔
(اختر حسین شیخ، داستانِ تاریخِ پہلوانی، ص ۹)۔

لیکن پہلوانی کے ایک معنی اور بھی ہیں جو یہ ہیں:

(۴) قدیم فارسی زبان، پہلوی۔ اس مفہوم میں اس کی سند اردو میں محمد حسین آزاد کے ہاں موجود ہے:

☆ پہلوی۔۔۔ بعضے کہتے ہیں کہ پہلوانانِ فارس یہ بولی بولتے تھے، اس لیے پہلوی اور پہلوانی بھی کہتے تھے۔ (سخن دانِ فارس، حصۂ دوم، ص ۳۵)

ڈھابا (اسم، مذکر)

فرہنگِ آصفیہ میں درج ہے لیکن کوئی سند نہیں دی ہے۔ نور نے درج کیا ہے لیکن معنی کی ایک اہم شق (عوامی طعام گاہ) درج نہیں کی۔ مہذب نے بھی اس مفہوم میں درج نہیں کیا۔ بورڈ نے ڈھابا درج کیا ہے، معنی کی شقیں بھی بنائی ہیں لیکن معنی کی کسی شق کی کوئی سند نہیں دی۔ تاریخی اصولوں پر مرتب کی گئی لغت میں سند کا اندراج لازم ہے۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ کسی لفظ کے کوئی معنی نہیں جب تک وہ کسی مصرعے یا جملے میں استعمال نہ ہو۔ لفظ کے معنی اس کے استعمال اور اس استعمال میں تواتر سے طے ہوتے ہیں (یہی وجہ ہے کہ جب وقت کے ساتھ لفظ کے استعمال میں تغیر ہوتا ہے تو لفظ بھی معنی بدلتے ہیں اور نئے معنوں میں استعمال ہونے لگتے ہیں)۔

آج کل لفظ ڈھابا عام استعمال میں ہے اور لفظی مفہوم (مرغیوں کا دڑبا اور پرچھتی وغیرہ) سے قطع نظر سڑک کنارے واقع کسی کچی پکی طعام گاہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد کھانے پینے کا کوئی ایسا عام سا چھپر نما ریستوران ہے (عرفِ عام میں 'ہوٹل') جو بس گزارے کے لائق ہو۔ یوں کہہ لیجیے کہ کھانے پینے کا سرِ راہ واقع سستا ٹھکانا۔ یہ لفظ پہلے بھی رائج تھا اور فرہنگِ آصفیہ میں بھی درج ہے اور کم و بیش اسی مفہوم میں جو سطورِ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ آصفیہ کے مطابق ڈھابا کے معنی ہیں: ''باورچی کی دکان جس پر مسافر دام دے کر روٹی کھاتے ہیں''۔ لیکن حیرت ہے کہ بورڈ کو اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ نہ صرف یہ کہ بورڈ کی لغت میں یہ معنی آصفیہ کے حوالے سے درج ہیں بلکہ اس لفظ کے معنی کی جتنی شقیں بورڈ نے درج کی ہیں ان میں سے کسی کی بھی سند نہیں دی گئی ہے اور مختلف مآخذ کے حوالے دے دیے گئے ہیں (جلد دہم، ص ۲۰۸-۲۰۷)۔ حالانکہ بورڈ نے طے کیا تھا کہ ہر معنی کی کم از کم دو اسناد پیش کی جائیں گی۔

مذکورہ بالا ایک شق کی سند ابنِ انشاء کے ہاں موجود ہے:

☆ اس میں جگہ جگہ ہوٹلوں، سراؤں، ڈھابوں اور سستے ٹھکانوں کے پتے دیے گئے ہیں۔
(آوارہ گرد کی ڈائری، ص ۱۳۵)

ایک سند اور پیش ہے:

لبھو رام کا اڈے میں ڈھابا تھا جو رکھے کے خاندان ہی سے تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کشمیری لال کے ہاتھ رکھے کو کھانا بھیجا جسے اس نے اس شرط پر کھایا کہ ادھار کھا رہا ہے۔ (گیان سنگھ شاطر، گیان سنگھ شاطر: ناول، ص ۲۴۷)

حواشی:

۱ چاہی: زمین جسے چاہ یعنی کنویں سے سینچا جائے۔
۲ سوائی: زمین جس میں چکنی مٹی اور بالو یعنی ریت ملے ہوئے ہوں۔

مآخذ:

۱- ابنِ انشاء، آوارہ گرد کی ڈائری، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۸۰ء (طبع ہفتم)۔
۲- اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقابل اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، (اشاعتِ نہم)۔
۳- پال، جوگندر، جوگندر پال سے ایک ادبی جھڑپ، مشمولہ نقوش، لاہور، شمارہ ۱۰۵، اپریل، مئی، جون، ۱۹۶۶ء۔
۴- حالی کلیاتِ نظمِ حالی، ج ۲ (مرتبہ افتخار احمد صدیقی)، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۶۸ء۔
۵- حقی، شان الحق، نوک جھوک، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۶ء (اشاعتِ اول)۔
۶- جوش ملیح آبادی، محمل و جرس، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۲۳ء (مرتبہ ۱۹۷۲ء، اشاعتِ اول ۲۰۲۳ء)۔
۷- دہلوی، شاہد احمد، اجڑا دیار، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۶۷ء۔
۸- راشد، ن۔م۔، کلیاتِ راشد، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۴ء۔
۹- شیخ، اختر حسین، داستانِ تاریخِ پہلوانی، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ، ۲۰۲۴ء۔
۱۰- قریشی، کامل (مرتب)، مرزا محمود بیگ کے مضامین کا انتخاب، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء۔
۱۱- گیان سنگھ شاطر، گیان سنگھ شاطر: ناول (دہلی: ناشر مصنف، ۱۹۹۴ء۔
۱۲- منیر نیازی، ماہِ منیر، لاہور: مکتبۂ منیر، ۱۹۷۴ء۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail: drraufparekh@yahoo.com

سیر المنازل
(مرزا سنگین بیگ)
شریف حسین قاسمی
قیمت: 600 روپے

ریت سمادھی
(گیتانجلی شری)
ترجمہ: آفتاب احمد
قیمت: 900 روپے

میرا جنون اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700 روپے

قسط:3

شبلی کی تحریکی حسیت اور اس کے اسباب و محرکات

محمد الیاس الاعظمی

(گذشتہ سے پیوستہ)

11. تحریک وقف علی الاولاد

علامہ شبلی کے عہد میں انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو زیادتیاں کیں، ان میں ایک وقف علی الاولاد کو ناجائز قرار دینا بھی ہے۔ اسلام میں وقف کا ایک مکمل نظام ہے اور ایسا نظام ہے جس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی مگر انگریز حکام بالخصوص عدالتوں کے جج وقف کے اس اسلامی نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ''اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثار نفس اور فیاضی نہیں ہے۔ اولاد کو دینا گویا جائداد کو اپنے ہاتھ میں رکھنا اور حفاظت جائداد کا بندوبست ہے۔'' (رسالہ مسئلہ وقف اولاد، ص:3، مرتبہ علامہ شبلی نعمانی، مطبع احمدی علی گڑھ، 1909)

چناں چہ وہ اپنے اس موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھے اور مسلمانوں کی وقف جائدادوں کے فیصلے اپنے اسی نقطۂ نظر سے صادر کر رہے تھے، جس سے مسلمانوں کی املاک ضائع ہو رہی تھیں۔

1908 میں علامہ شبلی بمبئی میں تھے، یہیں انھیں خیال آیا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کے متعلق ایک تحریک برپا کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مذکورہ فیصلوں کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت سی جائدادیں معرضِ تلف میں آگئی ہیں اور ان کی حفاظت کا ایک مستحکم نظام فنا ہو رہا ہے، چناں چہ انھوں نے اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندستان کے نامور وکلا اور قانون دانوں سے خط و کتابت کی، جس میں سیّد امام علی بیرسٹر پٹنہ، مولوی محمد شفیع بیرسٹر لاہور، نواب سیّد امیر حسن خاں کلکتہ، مولوی حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ، نواب وقار الملک علی گڑھ، مولوی محمد شریف آنریری سکریٹری وقف کمیٹی لندن، مولوی مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ، نواب نصیر حسین خاں خیال کلکتہ، مولوی سیّد حسین بلگرامی اور مولوی سیّد ظہور احمد بیرسٹر لندن کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان قانون دانوں نے تحریک چلانے پر نہ صرف اتفاق کیا بلکہ ہر طرح کے تعاون کی بھی پیش کش کی۔ (ایضاً ص 12-3)

اس پیش قدمی سے علامہ شبلی کا حوصلہ اور بلند ہوا، چناں چہ انھوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس 1908 میں اس کی تجویز پیش کی جسے مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری کے علاوہ تمام اراکین نے منظور کرلیا۔ (شبلی وقف اولاد ص 5) اور پھر یہ طے پایا کہ:

1- ایک وقف ایسوسی ایشن یعنی وقف کمیٹی مقرر ہو جس کے ممبر تمام اضلاع ہندستان کے سربرآوردہ مسلمان، تعلقہ دار، زمیں دار، عہدے دارانِ سرکاری، وکلا وغیرہ ہوں۔

2- ایک فتویٰ تمام ہندستان کے علما کے دستخط سے مزین ہو کر تیار کرایا جائے۔

3- ایک رسالہ لکھا جائے جس میں احادیث اور روایات فقہ سے وقف اولاد کو ثابت کیا جائے۔

4- ایک عرض داشت مرتب ہو کر تمام ہندستان کے مسلمانوں سے اس پر دستخط کرائے جائیں اور وہ مع رسالہ و فتوی مذکورہ بالا کے حضور وائسرائے کی خدمت میں بھیجی جائے، جس کا مضمون یہ ہو:

''تمام مسلمانان ہندستان اس تعبیر کو خلاف قانون اسلام سمجھتے ہیں جو پریوی کونسل نے وقف اولاد کے مسئلے میں کی ہے، اس لیے ہم مسلمانوں کی درخواست ہے کہ گورنمنٹ ایک جدید قانون وقف اولاد کے متعلق حسب شریعت اسلام بنا دے۔''

(ایضاً ص 2-1)

ان تجاویز کے تحت سب سے پہلے ایک وقف کمیٹی بنائی گئی اور علامہ شبلی کو اس کا سکریٹری نامزد کیا گیا، چناں چہ علامہ شبلی نے رسالہ مسئلۂ وقفِ اولاد قلم بند کیا اور شائع کرایا اور قرآن، حدیث اور فقہ کی مستند کتابوں سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ اسلام میں وقف علی الاولاد نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ صلہ رحمی کا بھی ایک ذریعہ ہے اور آغاز اسلام سے اس پر عمل ہوتا رہا ہے اور آج بھی اسلامی ممالک میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

رسالے کے شروع میں قضیہ وقف اور اس کے اسباب کا تذکرہ ہے، اس کے بعد اصل مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

''اصل یہ ہے کہ شریعت اسلام کا ایک یہ مسئلہ کہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد کو خدا کی راہ میں فقراء و غربا کے لیے اس طرح مخصوص کر دے کہ اصل جائداد ہمیشہ محفوظ رہے گی اور اس کا منافع فقرا اور غربا کو ملتا رہے گا تو اس معاملے کا نام وقف ہوگا اور وہ جائداد ہمیشہ محفوظ رہے گی، یعنی نہ فروخت ہو سکے گی نہ ہبہ ہو سکے گی، نہ وارثوں کو وراثت میں مل سکے گی، البتہ اس کا منافع فقرا کو ملتا رہے گا۔

وقف کی یہ صورت تمام اور مذہبوں میں بھی موجود ہے لیکن تمام اور مذاہب نے وقف کو غیروں اور بیگانوں کے لیے محدود رکھا ہے، لیکن اسلام نے اس کو وسعت دی ہے، اسلام نے یہ قرار دیا کہ اپنی مدد کرنا اپنی آل اور اولاد کی پرورش کرنا انسان کا اصلی فرض ہے، جس کے ادا کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے وقف کو اولاد اور اعزہ تک وسعت دی، یعنی اگر کوئی شخص صرف اپنی اولاد پر کوئی جائداد وقف کرے تو یہ وقف بھی جائز اور نافذ ہوگا۔'' (ایضاً ص 1)

قرآن مجید کی متعدد آیات سے وقف کے جواز پر استدلال کیا ہے، پھر صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی کی متعدد روایات سے وقف علی الاولاد کے شواہد فراہم کیے ہیں، بعد ازاں ان روایات کو نقل کیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنی اولاد پر وقف کیا تھا، اس کے بعد فقہ کی مستند کتابوں سے ثبوت فراہم کیے ہیں اور آخر میں پریوی کونسل کے شبہات کا مدلل جواب سپردِ قلم کیا ہے۔

یہ رسالہ 'مسئلۂ وقف اولاد' 1909 میں مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا اور اجلاسِ ندوہ کی قرارداد کے مطابق ہندستان کے تمام علما کے پاس تائید و اتفاق کی غرض سے بھیجا گیا، چناں چہ ہندستان کے تمام علما نے اس کی تائید و تصدیق کی۔ شیعہ کانفرنس، مسلم لیگ اور متعدد انجمنوں نے بھی اس کی تائید و حمایت کی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ ہماری تاریخ کی واحد تحریک تھی جس پر ہندستان کے تمام علما (جس میں شیعہ و سنی، اہلِ حدیث سب شامل تھے) نے اتفاق کیا بلکہ جدید دانشوروں نے بھی اسے سراہا۔ اس رسالے اور مسئلۂ وقف اولاد کی تائید میں جو فتوے اور تصدیقات آئیں ان کی تفصیلات ایک رسالے 'فتاویٰ علماے ہندستان' مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ (1910) میں جمع کر کے طبع کرائیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر منقسم ہندستان کا شاید ہی کوئی ایسا خطہ اور علاقہ ہو جہاں یہ رسالہ نہ پہنچا ہو اور وہاں کے علماے کبار اور مفتیانِ عظام نے اس کی تائید و تصدیق نہ کی ہو۔ رام پور، دیوبند، مظفر نگر، میرٹھ، علی گڑھ، کان پور، بنارس، لکھنؤ، غازی پور، دہلی، مراد آباد، کلکتہ، لاہور، سندھ، پشاور، امرتسر، پنجاب، مدراس، حیدر آباد غرض ملک کا ہر نمایاں شہر اور تمام مدارسِ اسلامیہ اور ان کے اساتذہ نے اس رسالے کا مطالعہ کیا اور اس سے اتفاق کیا۔ یہاں محض مفتی ابوالمعارف محمد المدعو باکرام اللہ المجددی الاحراری نقشبندی کی تائیدی تحریر نقل کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے رسالۂ 'وقف اولاد' کو اول سے آخر تک دیکھا اور نہایت تحقیقی و تنقیدی نظر سے دیکھا اور اس کے ماخذ استدلال اور اصول کو اچھی طرح جانچا مگر کوئی سقم نظر نہیں آیا اور حرف بہ حرف مذہبِ حنفی کے مطابق پایا، حق سبحانہ تعالی مؤلف کو جزاے خیر دے اور ان کو ان کی کوشش میں کامیاب کرے۔''

(فتاویٰ علماے ہندستان، ص:5)

علامہ شبلی نے تحریک وقف علی الاولاد برپا کرنے کے لیے مختلف شہروں کا دورہ کیا، کئی بار کلکتہ اور بمبئی گئے، کونسل کے ہندو مسلمان تمام ممبروں سے علاحدہ علاحدہ ملاقاتیں کیں اور انھیں مسئلۂ وقف کو سمجھانے اور انھیں حمایت کرنے کے لیے راضی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مجوزہ قرارداد کے مطابق علامہ شبلی نے ایک فارم طبع کرایا اور ملک کے بیشتر حصوں میں اسے بھجوایا اور تمام سربرآوردہ اشخاص سے خط و کتابت کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً چالیس ہزار اشخاص نے اس سے اتفاق کیا اور تائیدی فارم پر دستخط کیے۔

(رپورٹ کارروائی وقف علی الاولاد ص:5)

اس وقت ہندستان کی تاریخ میں کسی ایک مسئلے پر برپا ہونے والی تحریک میں اس سے زیادہ کبھی دستخط نہیں کرائے جا سکے اور نہ اس قدر اتحاد عمل کا مظاہرہ کیا گیا۔ پھر علامہ شبلی نے عرض داشت تیار کی اور اس کا انگریزی ترجمہ محبِّ اردو سر تیج بہادر سپرو (1875-1949) سے کرایا بعض اور لوگوں نے بھی اسے انگریزی میں منتقل کیا جو اخبارات اور ملک کے قانون دانوں کے پاس بھیجی گئی اور یہ تحریک پورے ہندستان کے مسلمانوں کا ایک مسلمہ مسئلہ بن گئی، چناں چہ محمد علی جناح (1876-1948) نے کونسل کی میٹنگ میں یہ مسئلہ اٹھایا اور حکومت سے دریافت کیا کہ کیا مسلمانوں کی اس بے چینی کی خبر حکومت کو ہے؟ حکومت نے اقرار کیا، اس کے بعد محمد علی جناح، مسٹر مظہر الحق بیرسٹر پٹنہ اور دیگر قانون دانوں نے طے کیا کہ اسے ایک بل کی صورت میں کونسل میں پیش کیا جائے، چناں چہ 17 مارچ 1911 کو محمد علی جناح نے مسئلۂ وقف کو بل کی صورت میں پیش کیا۔ انھوں نے اپنی مفصل تقریر میں علامہ شبلی کے فضل و کمال، تحریک ندوۃ العلماء اور وقف کے سلسلے میں ان کی مساعی کا تفصیل سے ذکر کیا اور علامہ شبلی کے رسالہ وقف اولاد کے اقتباسات بھی پڑھ کر سنائے اور مولانا شبلی کی اس یادداشت کا بھی ذکر کیا جو انھوں نے تیار کرا کے حکومت کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا، جس میں 40 ہزار اشخاص کے دستخط تھے۔ مظہر الحق بیرسٹر کی کوششوں سے کونسل کے ہندو ممبران نے بھی بل کی تائید کی۔ محمد علی جناح نے وقف علی الاولاد کا جو بل پیش کیا تھا، اس کی بعض دفعات سے علامہ شبلی کو اختلاف تھا، اس کے لیے وہ بمبئی گئے اور محمد علی جناح سے ملاقات کی اور اپنے موقف سے مطلع کیا، چناں چہ انھوں نے علامہ شبلی کے نقطۂ نظر کے مطابق ترمیم کی، یہی ترمیم شدہ قرارداد حکومت نے منظور کی اور وقف علی الاولاد کا قانونی بل پاس ہوا۔

(حیات شبلی، ص:26-425)

علامہ شبلی نے مسلمانوں کے لیے جو عملی جدوجہد کی وقف علی الاولاد اس سلسلے کا ان کا غالباً سب سے اہم کارنامہ ہے اور ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

جشنِ یومِ سرسیّد میں تعلیم کے فروغ، اخلاقی تربیت اور سماجی اصلاح کی اہمیت پر زور

مرادآباد (19 اکتوبر)۔ اردو ہندی اردو سالنامہ آئینہ اردو صحافت کے اشتراک سے سوتنز تا سنگرام سینانی بھون، کمپنی باغ میں جشنِ یومِ سرسیّد کا انعقاد کیا گیا، جس میں مقررین نے سرسیّد احمد خاں کی تعلیمی و سماجی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے تعلیم کے فروغ، اخلاقی تربیت اور سماجی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔ پروگرام کے کنوینر مرزا مرتضیٰ اقبال تھے، جب کہ نظامت سینئر صحافی پرویز ناظم اور گوکل داس گرلز ڈگری کالج کی اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر زیبا ناز نے مشترکہ طور پر کی۔ تقریب کی صدارت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اکیڈمی کے چیئرمین اور سابق پی آر او ڈاکٹر راحت ابرار نے کی۔ پروفیسر عبید اقبال عاصم اور نوید الیاس گنوری مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ مہمانانِ اعزازی میں میفیئر کالج کے پرنسپل ڈاکٹر چھٹن خاں، حامد انٹر کالج رامپور کے سابق پرنسپل اسرار احمد اور رامپور کے سماجی مصلح فیصل شاہ خاں شامل تھے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر غیاث الدین، بچن سنگھ چوہان، ایڈوکیٹ اونکار سنگھ، اسد مولائی اور اسسٹنٹ پروفیسر صفیہ حمید سمیت دیگر معززین بھی موجود رہے۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا، جس کے بعد خیال مرادآبادی، قمر حسن پوری اور تحسین مرادآبادی نے نعت پاک پیش کی۔

ڈاکٹر راحت ابرار نے کہا کہ سرسیّد احمد خاں محض ایک شخص نہیں بلکہ ایک عظیم شخصیت تھے جنھوں نے اپنے تعلیمی مشن کی ابتدا مرادآباد سے کی۔ ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے بھی کہا کہ مرادآباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سرسیّد نے اپنی تعلیمی تحریک کا آغاز اسی شہر سے کیا۔

اسرار احمد نے مسلم معاشرے میں اخلاقی زوال کو تشویش ناک قرار دیتے ہوئے اخلاقی اصلاح پر زور دیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر چھٹن خاں، بچن سنگھ چوہان، اسد مولائی، صفیہ حمید اور ایڈوکیٹ اونکار سنگھ نے جمہوریت کے تحفظ اور فروغ کے لیے دلتوں اور مسلمانوں سمیت تمام طبقات کے درمیان اتحاد و اتفاق کو ضروری قرار دیا۔ پروگرام کے کنوینر مرزا مرتضیٰ اقبال نے کہا کہ سرسیّد احمد خاں کے نزدیک تعلیم کا مقصد محض ڈگری حاصل کرنا نہیں بلکہ پورے معاشرے کو فائدہ پہنچانا ہے۔ پروگرام میں ڈاکٹر پرویز خاں، ناظم منصوری، جابر خاں، نعمان منصوری، مسعود الحسن، غلام اقبال حسن، فیروز خاں، ساحل شمسی، جاوید شاہ، ڈاکٹر نواب، راحت حسین، نیرج گپتا، سعد شمسی، ڈاکٹر ضیاء الحق فہیم اور منصور اقبال سمیت بڑی تعداد میں معززینِ شہر نے شرکت کی۔

(انقلاب۔ دہلی)

پروفیسر اختر الواسع

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے نائب صدر منتخب

نئی دہلی (30 ستمبر)۔ معروف مصنف و دانشور اور اسلامی اسکالر پدم شری پروفیسر اختر الواسع کو آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کا نائب صدر منتخب کیا گیا ہے۔ مجلس کے قومی صدر فیروز احمد ایڈوکیٹ نے مرکزی دفتر میں پروفیسر اختر الواسع کو نائب صدر کی حیثیت سے تقرری کا باقاعدہ مکتوب پیش کیا۔ اس موقعے پر دہلی مسلم مجلس مشاورت کے صدر ڈاکٹر ادریس قریشی اور دہلی مسلم مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اقبال احمد موجود تھے۔ پروفیسر اختر الواسع نے مجلس عاملہ کی جانب سے اعتماد کا اظہار کرنے پر اظہارِ تشکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ مجلس کے مقاصد، ملّی یکجہتی، باہمی مشاورت اور ملک و ملّت کے وسیع تر مفاد میں اپنی ذمے داری پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں گے۔

(انقلاب۔ دہلی)

انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام راہی صدی تقریبات کے چوتھے معلوماتی لکچر کا کامیاب انعقاد

منوج پنجانی کے بصیرت افروز خطبے سے پروگرام کا شاندار آغاز

نئی دہلی (25 اکتوبر)۔ یہ شام ڈاکٹر راہی معصوم رضا کی صد سالہ تقریبات کا چوتھا حصہ تھی، جس کا اہتمام انجمن ترقی اردو (ہند) نے کیا تھا۔ تقریب کا آغاز فلموں کے شائق اور محقق منوج پنجانی کے ایک بصیرت افروز خطبے سے ہوا، جس میں انھوں نے راہی معصوم رضا کی زندگی اور ہندستانی سنیما اور ٹیلی ویژن میں ان کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ راہی صاحب نے علی گڑھ سے رختِ سفر باندھنے کے بعد جب بمبئی کا رخ کیا تو ان کے سامنے بہت سے مسائل سر ابھارے کھڑے تھے، لیکن انھوں نے ان مسائل کا نہایت ثابت قدمی کے ساتھ سامنا کیا۔ علی گڑھ میں ہی ان کا رابطہ اپنے وقت کے مشہور اداکار بھارت بھوشن کے بھائی رمیش چندر سے ہوگیا تھا، جو اُن کے ممبئی اور فلمی سفر کے لیے بہت سازگار رہا۔ راہی معصوم رضا نے 1963 میں رمیش چندر کے ساتھ ممبئی کا سفر کیا۔ راہی معصوم رضا کی تھیٹر سے وابستگی رمیش چندر کے رابطے اور راہی صاحب کی فلموں سے محبت نے ان کے فلمی سفر کو آسان بنا دیا۔ فلمی دنیا میں وہ تقریباً دو دہائی تک سرگرم رہے۔ منوج پنجانی نے ان کی کئی کامیاب فلموں کا ذکر کیا۔ راہی نے تقریباً 130 فلموں اور ڈراموں کے لیے کہانی، اسکرین پلے اور مکالمے تحریر کیے۔ ان کی پہلی ریلیز فلم 'راستے کا پتھر' تھی۔ ان کی مشہور فلموں میں ملی، میں تلسی تیرے آنگن کی (فلم فیئر ایوارڈ یافتہ)، گول مال، جرمانہ، قرض، جدائی، لاوارث، نکاح، طوائف (فلم فیئر ایوارڈ یافتہ)، آخری راستہ، لمحے (فلم فیئر ایوارڈ یافتہ) اور آئینہ وغیرہ اہم ہیں۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ فلموں سے زیادہ انھیں شہرت ٹیلی ویژن کی دنیا کے سب سے مقبول سیریل 'مہابھارت' سے ملی، جس کا اسکرین پلے اور مکالمے ان کی بے پناہ مقبولیت کا سبب بنے۔

اس خطبے کے بعد 'میں راہی معصوم' کے عنوان سے ایک یک نفری ڈرامائی پیش کش ہوئی، جسے حیدرآباد کے اداکار وِنے ورما نے تحریر بھی کیا اور پیش بھی کیا۔ وِنے ورما سُتر دھار تھیٹر گروپ کے بانی بھی ہیں۔ اس ڈرامے کی ہدایت کاری آنچہانی بھاسکر شیوالکر نے کی تھی۔

پچھتّر منٹ پر مشتمل یہ پرفارمنس ایک غیر معمولی مسرت کا تجربہ تھی۔ وِنے ورما نے جب ہندستان کے منفرد ترین ادیبوں میں سے ایک راہی کی نجی اور پیشہ ورانہ زندگی کے سفر کو اسٹیج پر زندہ کیا تو ناظرین مسحور ہو کر رہ گئے۔ ڈرامے کا اسکرپٹ نہایت محنت اور نفاست سے تیار کیا گیا تھا۔ اس میں راہی معصوم رضا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح یکجا کیا گیا تھا کہ نہ تو بیانیہ بوجھل ہوا اور نہ اس کی معنویت ہی سطحی ہونے پائی۔

فن کارانہ اداکاری، کردار نگاری اور ڈرامائی پیش کش کے ذریعے وِنے نے ہمیں محض ایک مشہور ادیب سے نہیں، بلکہ ان الفاظ کے پیچھے موجود ایک بے قرار انسان سے بھی روبرو کرایا۔ ایک ایسا انسان جس کے تخلیقی عزائم، داخلی کشمکش، محرومیاں، مایوسیاں، نظریاتی وابستگیاں اور سب سے بڑھ کر ایک ہندستانی مسلمان ہونے کا فخر اس کی شخصیت کے بنیادی عناصر تھے۔

ڈرامے میں راہی معصوم رضا کی زندگی کا ایک نہایت اثر انگیز پہلو یہ تھا کہ وہ خود کو تین ماؤں کا بیٹا کہتے تھے: اپنی حقیقی والدہ نفیسہ بیگم، گنگا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا۔ یہ نسبت ان کی شناخت کے مختلف دھاگوں — ذاتی، ثقافتی، علمی اور تہذیبی — کو نہایت قوت کے ساتھ جوڑتی ہے، لیکن اس نسبت میں ایک المیہ بھی پوشیدہ ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جہاں سے وہ وابستگی رکھتے تھے، وہیں انھیں وہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی جس کے وہ متمنی تھے۔ ان کی زندگی کی یہ تلخ حقیقت ان کی داستان کا ایک معنی خیز پہلو بھی ہے۔

زندگی کے ایک فیصلہ کن موڑ پر راہی معصوم رضا کو آل انڈیا ریڈیو اور ممبئی کی فلمی دنیا میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ ڈرامے کے مطابق، انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کے بجائے ممبئی کو ترجیح دی۔ شاید اس لیے کہ وہ ایسا شخص بن کر نہیں رہنا چاہتے تھے جو اقتدار کی خوشامد کر کے یا افسر شاہی کے سامنے سر جھکا کر اپنی خودمختاری سے سمجھوتہ کرلے۔

ان کی باغیانہ طبیعت کو بالآخر ہندی سنیما اور ٹیلی ویژن میں اظہار کا موقع ملا، جہاں انھوں نے تقریباً دو دہائیوں تک کام کیا، لیکن راہی معصوم رضا کو محض ایک کثیر التصانیف فلمی مکالمہ نگار یا اسکرین رائٹر کے طور پر یاد کرنا ان کی شخصیت کی اصل روح کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہوگا۔ وہ گہرے نظریاتی یقین کے حامل ادیب تھے، جن کی تخلیقی قوت اور انسانی ہمدردیاں عام لوگوں کی زندگیوں اور ان کی جدوجہد سے جڑی ہوئی تھیں۔ وہ حقیقی معنوں میں عوام کے ادیب تھے۔

راہی معصوم رضا کی زندگی، بحیثیت ادیب بھی اور بحیثیت شہری بھی، فرقہ وارانہ نفرت، مصنوعی خوف اور لوگوں کو تقسیم کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کے خلاف ایک مسلسل جدوجہد تھی۔ ایک ایسی جامع ہندستانی شناخت پر ان کا اصرار، جس میں تمام مذاہب اور ثقافتوں کے لوگوں کے لیے جگہ ہو، محض کوئی نظریاتی یا علمی موقف نہیں تھا، بلکہ ان کی شخصیت کا لازمی حصہ تھا۔

وِنے ورما کی دل چسپ اور مسحور کن اداکاری نے راہی معصوم رضا کی شخصیت کے اِن تمام پہلوؤں کو غیر معمولی حساسیت اور فنکارانہ انداز میں اسٹیج پر پیش کیا۔ کہیں بھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ تھیٹر کے پردے میں کوئی لیکچر دیا جارہا ہے۔ اس کے برعکس تحریر اور اداکاری نے راہی کی شخصیت کے تضادات، ان کی جرأت، کمزوریوں اور نظریاتی وابستگیوں کو فطری انداز میں سامنے آنے کا موقع دیا۔

وِنے ورما گزشتہ تقریباً دو دہائیوں سے ہندستان اور بیرون ملک اس ڈرامے کو پیش کرتے آرہے ہیں۔ ان کی اداکاری نے یہ ثابت کیا کہ اگر یک نفری ڈرامے کا تصور اور اس کی تشکیل بامعنی ہو تو وہ تاریخ کو ایک ذاتی تجربہ اور نظریات کو انسانی زندگی کا ایک گہرا احساس بنا سکتا ہے۔

شاید یہی 'میں راہی معصوم' کی اصل کامیابی ہے۔ یہ ڈراما محض ایک عظیم ادیب کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ان کی یاد منانے سے زیادہ ہمیں یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ ان کی آواز آج بھی کیوں اہم ہے اور ان کی زندگی جن جدوجہدوں کی علامت تھی، وہ اب تک ختم کیوں نہیں ہوئی ہیں۔ اس موقعے پر انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے منوج پنجانی کو راہی کے فلمی سفر اور وِنے ورما کو ان کی شاندار اداکاری کے لیے مبارک باد پیش کی اور انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کو راہی صدی تقریبات کے انعقاد کے کامیاب سلسلے پر مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ان کی انتھک کوششوں کو سراہا۔ پروگرام کے آخر میں ڈاکٹر اطہر فاروقی نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور سہ ماہی 'اردو ادب' کے راہی معصوم رضا نمبر سے متعلق تفصیلات سے حاضرین کو واقف کرایا۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض مالک اشتر نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے اور پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اردو ڈی ایڈ کالج ناگپور میں
یومِ ترغیبِ مطالعہ کے موقعے پر
انجمن ترقی اردو کی جانب سے کتابوں کی تقسیم

ناگپور (15 اکتوبر)۔ ڈاکٹر ذاکر حسین اردو جونیئر کالج آف ایجوکیشن، مومن پورہ، ناگپور میں بھارت رتن، سابق صدرِ جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے یومِ پیدائش کے موقعے پر 'یومِ ترغیبِ مطالعہ' کے عنوان سے ایک پُروقار تقریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ پروگرام حکومتِ ہند کی جانب سے جاری کردہ 'قومی مطالعہ مہم' کے تحت منعقد کیا گیا تھا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اظہر حیات (سکریٹری، انجمن ترقی اردو ہند شاخ ناگپور) اور جناب شیخ عبدالوحید (سابق اسسٹنٹ جنرل منیجر، ایس بی آئی) تھے، جب کہ صدارت کے فرائض کالج کی پرنسپل ڈاکٹر شہناز قاضی صاحبہ نے انجام دیے۔

پروگرام کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ نازنین تبسم نے بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانۂ نعت پیش کیا۔ سالِ دوم کی طالبہ تحریم افتخار نے ڈاکٹر عبدالکلام کی حیات و خدمات پر ایک مؤثر تقریر پیش کی۔ مہمانوں کا استقبال پرنسپل ڈاکٹر شہناز قاضی، ڈاکٹر ماہ جبین اور محترمہ تہمینہ مظہر نے کیا۔

مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اظہر حیات نے اپنے کلیدی خطاب میں مطالعے کی اہمیت، ضرورت اور اس کے مثبت اثرات پر مفصل روشنی ڈالی۔ انھوں نے زور دیا کہ موجودہ ڈیجیٹل دور کے شور و ہجوم میں خود کو کس طرح کتابوں سے جوڑے رکھا جائے اور کتاب بینی کو اپنا شعار بنایا جائے۔ مہمانِ اعزازی جناب شیخ عبدالوحید نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انھیں محنت اور مطالعے کی تلقین کی۔

اس تقریب کے اختتام پر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ ناگپور کی جانب سے طالبات کو تحفتاً کتابیں تقسیم کی گئیں جسے حاصل کر کے طالبات کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔

نظامت کے فرائض اسسٹنٹ پروفیسر نجمہ السحر علی نے بہ حسن و خوبی انجام دیے، جب کہ کلماتِ تشکر اسسٹنٹ پروفیسر نعیمہ قریشی نے پیش کیے۔ اس موقعے پر تمام اساتذہ بالخصوص ڈاکٹر نازش ارم اور کلرک عرفان اختر کی کاوشیں قابلِ ستائش رہیں۔ پروگرام میں اساتذہ اور طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی۔

انجمن ترقی اردو (ہند)، جھارکھنڈ نے کی آن لائن توسیعی میٹنگ

رانچی (25 اکتوبر)۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، جھارکھنڈ کی توسیعی آن لائن میٹنگ اتوار 25 اکتوبر کو شام سات بجے ڈاکٹر یاسین انصاری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ میٹنگ میں ریاست میں اردو زبان و تعلیم کی موجودہ صورتِ حال، اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں، تنظیمی سرگرمیوں اور آئندہ ادبی و ثقافتی پروگراموں کے حوالے سے تفصیلی تبادلۂ خیال کیا گیا اور اتفاقِ رائے سے متعدد اہم فیصلے کیے گئے۔

میٹنگ میں رانچی سے ڈاکٹر ریحانہ محمد علی، نجمہ ناہید انصاری، یاسمین تنہا اور ڈاکٹر محفوظ عالم؛ گڑھوا سے گوہر علی خان اور خدا بخش انصاری؛ دھنباد سے ڈاکٹر حسن نظامی اور عبدالرحمٰن؛ گڈا سے سلیمان جہانگیر، کلیم اللہ پروانہ اور شمس پروانہ؛ گریڈیہ سے محمد امتیاز احمد، ڈاکٹر انظر حسین اور ڈاکٹر فرحت جہاں؛ کھونٹی سے کمال اختر اور جنید احمد؛ جمشید پور سے ضیاء المبین انصاری اور سمیع احمد خان؛ مدھوپور سے انور شمعون؛ صاحب گنج سے محمد جاوید علی انصاری؛ ڈالٹن گنج سے ڈاکٹر انتخاب عالم اور رام گڑھ سے ڈاکٹر اشرف علی سمیت مختلف اضلاع کے متعدد اراکین نے شرکت کی۔

میٹنگ کے آغاز میں ریاستی جنرل سکریٹری ایم زیڈ خان نے اجلاس کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے جھارکھنڈ میں اردو کی موجودہ صورتِ حال کو تشویش ناک قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ بیورو کریسی کے رویے کے سبب ریاست میں اردو کا تعلیمی نظام مسلسل زوال کا شکار ہے۔ سرکاری اسکولوں میں گذشتہ تین چار دہائیوں سے اردو اساتذہ کی اسامیاں خالی پڑی ہیں جب کہ متعدد ایسے اسکولوں میں، جہاں اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد سو یا اس سے زیادہ ہے، اردو استاد کی ایک بھی اسامی منظور نہیں کی گئی ہے۔ اس صورتِ حال کے باعث طلبہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حق سے محروم ہو رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ رانچی کے 227 سرکاری اسکولوں سے حقِ اطلاعات قانون (آر ٹی آئی) کے تحت حاصل کردہ معلومات کے مطابق 1977 سے اردو اساتذہ کی اسامیاں خالی ہیں۔ انھوں نے اس صورتِ حال کو اردو زبان و تعلیم کے مستقبل کے لیے انتہائی تشویش ناک قرار دیتے ہوئے اس مسئلے پر سنجیدہ اور مؤثر اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔

میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ریاست کے تمام اضلاع میں انجمن کی مقامی اکائیاں اپنی سہولت اور حالات کے مطابق عالمی یومِ اردو یا یومِ تعلیم کے موقعے پر جشنِ اردو کا انعقاد کریں گی۔ اس کے علاوہ 22 نومبر کو ریاستی سطح پر اردو کے حوالے سے ایک خصوصی پروگرام منعقد کیا جائے گا، جس کے ذریعے اردو زبان و ادب کی اہمیت، اس کی تہذیبی روایت اور موجودہ مسائل کو اجاگر کیا جائے گا۔

تنظیمی استحکام کے سلسلے میں محمد جاوید علی انصاری کو انجمن ترقی اردو، صاحب گنج یونٹ کا کنوینر نامزد کیا گیا۔ انھیں ذمے داری دی گئی کہ رکنیت سازی کا عمل مکمل کرنے کے بعد تین ماہ کے اندر جمہوری طریقِ کار کے مطابق صاحب گنج میں انجمن کی باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی۔ اسی طرح رانچی یونٹ کی غیر فعال تنظیمی صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ میٹنگ میں کہا گیا کہ یونٹ کے سکریٹری کی غیر فعالیت اور غیر ذمے دارانہ رویے کے باعث انجمن کی سرگرمیاں متاثر ہو رہی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا کہ اگلے انتخاب تک انجمن ترقی اردو، رانچی کے سکریٹری کی ذمے داری محترمہ یاسمین تنہا کو سونپی جائے، تاکہ ان کی کوششوں سے رانچی یونٹ کو دوبارہ فعال اور متحرک بنایا جا سکے۔

میٹنگ میں ریاست کے پانچوں کمشنری انچارجوں سے بھی اپیل کی گئی کہ وہ اپنی تنظیمی ذمے داریوں کو سنجیدگی سے ادا کریں۔

میٹنگ میں اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ اردو زبان و تعلیم کے مسائل کو متعلقہ سرکاری حکام کے سامنے مؤثر انداز میں پیش کرنے، اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کی تفصیلات جمع کرنے، تنظیمی ڈھانچے کو مضبوط بنانے اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے انجمن ترقی اردو (ہند)، جھارکھنڈ اپنی کوششیں جاری رکھے گی۔

شولا پور اردو اسکول کی دو بہنوں کا اسپورٹس میں کمال

ممبئی (19 اکتوبر)۔ جنوبی شولا پور کے ایک چھوٹے سے گاؤں اہیرواڑی کی دو ہونہار بہنوں عرشیہ اور شازیہ مخدوم انعامدار نے ایشین ڈائریکٹ والی بال انٹرنیشنل چمپئن شپ میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندستانی ٹیم کو کامیابی دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بھوٹان میں منعقدہ اس مقابلے کے فائنل میں ہندستان نے نیپال کو 10 کے مقابلے 15 پوائنٹس سے شکست دے کر خطاب اپنے نام کیا۔ لڑکیوں کی آٹھ رکنی ہندستانی ٹیم میں مہاراشٹر کی تین کھلاڑی تھیں جن میں عرشیہ اور شازیہ انعامدار کا تعلق شولا پور سے ہے۔

عرشیہ اور شازیہ تیسری جماعت سے والی بال کھیل رہی ہیں۔ اسکول اور کالج کی سطح کے مقابلوں کے علاوہ دونوں بہنیں بین ریاستی اور قومی سطح کے میچوں میں بھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔ کھیل میں عمدہ مظاہرے پر دونوں بہنوں کو متعدد ایوارڈس سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ دونوں بہنیں اپنے کھیل کے ذریعے ملک اور اپنے گاؤں کا نام روشن کرنا چاہتی ہیں۔ تعلیم کے میدان میں بھی انھوں نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اہیرواڑی کے ضلع پریشد اردو اسکول سے ساتویں جماعت تک تعلیم کے بعد دونوں نے عثمانیہ اردو ہائی اسکول، شولا پور سے ایس ایس سی اور بیگم گرلز جونیر کالج، شولا پور سے ایچ ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ عرشیہ نے امسال کلیان شیٹی مہاودیالیہ، اکل کوٹ سے بی اے مکمل کیا جب کہ شازیہ نے ڈی ایچ بی سونی کالج، شولا پور سے بیچلر آف کمپیوٹر ایپلی کیشن کیا ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

مولانا آزاد کی صحافتی وراثت کو آگے بڑھائیں

پروفیسر سیّد عین الحسن

حیدرآباد (9 اکتوبر)۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (مانو) کے شعبۂ ترسیلِ عامہ و صحافت میں ریڈیو پوڈ کاسٹ اسٹوڈیو اور پروفیسر سیّد عین الحسن میڈیا آرکائیول ڈسپلے یونٹ کا افتتاح عمل میں آیا۔ پوڈ کاسٹ اسٹوڈیو کا افتتاح یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سیّد عین الحسن نے کیا، جب کہ پروفیسر سیّد عین الحسن سے معنون میڈیا آرکائیول ڈسپلے یونٹ کا افتتاح رجسٹرار پروفیسر ایس. کے. اشتیاق احمد نے کیا۔ اس موقعے پر وائس چانسلر پروفیسر سیّد عین الحسن نے طلبہ سے کہا کہ وہ معاشرے کی ضروریات کو سمجھیں اور اپنی الگ شناخت بنائیں۔ انھوں نے کہا کہ ذرائع ابلاغ میں کام کرنے والوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس سے مخاطب ہیں اور ان کے ناظرین و سامعین، قارئین کی ضروریات کیا ہیں۔ وائس چانسلر نے کہا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے دور میں معاشرے کی ضروریات کو سمجھتے ہوئے 'الہلال' اور 'البلاغ' جیسے اخبارات کے ذریعے اپنی بات لوگوں تک پہنچائی اور ان میں بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ صحافت کے طلبہ کو ان کی وراثت سے سبق حاصل کرتے ہوئے معاشرے سے جڑے مسائل کو سمجھنا چاہیے اور عام لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار پروفیسر اشتیاق احمد نے میڈیا آرکائیول ڈسپلے یونٹ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ذرائع ابلاغ کی تاریخ اور اس میں آنے والی تبدیلیوں کو محفوظ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ انھوں نے تاریخی مواد کو محفوظ رکھنے پر زور دیا۔ شعبۂ ترسیلِ عامہ و صحافت کے ڈین پروفیسر احتشام احمد خاں نے بتایا کہ شعبے میں رواں تعلیمی سال سے ایم اے فلم میکنگ کا کورس شروع کیا گیا ہے، اس کورس کا مقصد طلبہ کو فلم سازی کے میدان میں معیاری تعلیم اور عملی تربیت فراہم کرنا ہے تاکہ وہ فلم سازی کی تکنیک کو سمجھنے کے ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار سکیں اور اس شعبے میں پیشہ ورانہ مستقبل کے لیے خود کو تیار کر سکیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ یہ کورس طلبہ کو فلم سازی کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار اور آگے بڑھنے کے نئے مواقع فراہم کرے گا۔ اس موقعے پر ڈائرکٹر ایم. ایم. ٹی. ٹی. سی. پروفیسر تسنیم فاطمہ، آئی ایم سی کے ڈائرکٹر رضوان احمد خاں، شعبۂ سوشل ورک کے صدر پروفیسر ایم ڈی شاہد رضا، شعبۂ ترسیلِ عامہ و صحافت کے دیگر اساتذہ، ریسرچ اسکالرس اور طلبہ کثیر تعداد میں موجود رہے۔

(روزنامہ 'عصرِ حاضر'۔ حیدرآباد)

فیروز مظفر حنفی
اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن دہلی کے جنرل سکریٹری منتخب

نئی دہلی (8 اکتوبر)۔ ایم سی ڈی کے سابق انجینئر اور معروف ادیب فیروز مظفر حنفی کو اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن دہلی اسٹیٹ کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ فیروز مظفر حنفی ایک تجربے کار انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ انھیں تنظیم کی ذمے داری سونپنے سے دہلی میں اردو کے فروغ اور اس سے متعلق سرگرمیوں کو مزید تقویت ملے گی۔ شیخ علیم الدین اسعدی نے کہا کہ فیروز مظفر حنفی کی ادبی خدمات اور تنظیمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انھیں یہ ذمے داری دی گئی ہے۔ امید ہے کہ وہ دہلی میں اردو کے فروغ، تحفظ اور نئی نسل کو اردو سے جوڑنے کے لیے موثر کردار ادا کریں گے۔ (انقلاب۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : اردو ادب کا فکری وتنقیدی تناظر
مصنفہ : ڈاکٹر شمع افروز
ضخامت : 172 صفحات
قیمت : 500 روپے
ناشر : فضلی بک، اردو بازار، کراچی
تبصرہ نگار : ڈاکٹر شاہد کمال

E-mail: shhdkamal@yahoo.com.

ڈاکٹر شمع افروز کا نام اردو دنیا میں تحقیق وتخلیق کے تعلق سے اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے فارسی تراجم کی نسبت سے بھی جانی جاتی ہیں۔ ان کے تحقیقی وتنقیدی مقالات متعدد وقیع جریدوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے یہاں مذکورہ بالا ادبی شعبہ جات میں خواتین کا حصہ تدریسی دائرۂ کار سے زیادہ نہیں ہے، لیکن ڈاکٹر شمع افروز کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ وہ اپنی تخلیقات وتحقیقات کی بنا پر ملکی وبین الاقوامی سطح پر جانی جاتی ہیں۔

ان کی کتاب 'اردو ادب کا فکری وتنقیدی تناظر' ان کے انتقادی شعور کا وقیع مجموعہ ہے جو تیرہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان تمام مضامین کے مختلف موضوعات پر مصنفہ نے اپنے انفرادی اسلوب کے ذریعے سیر حاصل بحث کی ہے۔ خاص طور پر 'پاکستانی کلچر کے مباحث کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ' اور 'جدید اردو نظم اور ہماری تہذیب وثقافت' دو ایسے عمدہ مضامین ہیں جس میں ڈاکٹر شمع افروز کا انتقادی رویہ اُن کی تحقیقی صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اوّل الذکر مضمون اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ ہمارے دم گھونٹ معاشرے میں سب سے زیادہ ظلم کلچر کی اہمیت پر ہوا ہے، جسے دائیں بازو کے قدامت پرستوں نے لوگوں پر واضح ہی نہیں ہونے دیا۔ یوں تو ہمارے یہاں کلچر کی اہمیت پر بہت کچھ لکھا گیا لیکن کوئی بھی مصنف ہمت کر کے یہ نہیں لکھ سکا کہ زمینی حقائق کی ترتیب میں سب سے پہلا نمبر مقامی کلچر کا ہوتا ہے، جو انسان کی روح میں سفر کرتا ہے۔ ڈاکٹر شمع افروز نے اس موضوع پر قلم اُٹھا کر مختلف مباحث کی اہمیت کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جب کہ آخر الذکر مضمون میں جدید اردو نظم کا تعلق ہماری تہذیب و ثقافت میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی ایک منفرد موضوع ہے جو ایسے تمام نظم نگاروں کو جن کے ہاں مقامی تہذیب وثقافت کی جھلکیاں موجود ہیں، نظیر اکبر آبادی سے جوڑ دیتا ہے۔ کیوں کہ نظیر ہی وہ پہلے شاعر تھے جن کی نظموں میں موجود مضامین اور تلازمات مقامی تہذیب وثقافت کی مٹی سے گوندھے ہوئے تھے، اور اُس کے بعد آج تک جب جب بھی اس انداز کے موضوعات جہاں جہاں بھی دکھائی دیتے ہیں وہ نظیر ہی کی روایت کا تسلسل معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر شمع افروز نے اس تعلق سے اقبال، جوش، فیض کی نظموں کے جائزے کو اپنے مقدمے کی شہادت کے لیے استعمال کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مضمون اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ جدید نوآبادیاتی نظام میں سوشل ازم کی گنجائش اور دائرۂ کار کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ مضمون مصنفہ کے مطالعے، مشاہدے اور نکھرے ہوئے سماجی شعور کا عکاس ہے۔

مزید برآں اس کتاب میں 'ن۔م۔ راشد کا شاعرانہ اسلوب' اور 'منٹو اپنی نظر میں' وہ تحریریں ہیں جو قاری کو نہ صرف علمی اور فکری شہادتیں فراہم کرتی ہیں بلکہ اپنے ممدوحین کی عوامی تفہیم کی تصحیح وتشریح میں بھی معاون دکھائی دیتی ہیں۔ دیگر مضامین میں تین مضامین 'ثلاثی، کافی اور نظمانہ' کے تحقیقی مطالعے شامل ہیں۔ ان مضامین میں 'کافی' تو خاصا پامال موضوع ہے جس پر ادب وتحقیق میں بہت سا مواد موجود ہے۔ ہر چند کہ 'کافی' سرائیکی ادب کی صنف ہے جس نے عام سطح پر پذیرائی حاصل کی اور اس کا سلسلہ اردو تک آ پہنچا۔ جب کہ جہاں تک 'ثلاثی' کا تعلق ہے یہ اصطلاح حمایت علی شاعر سے منسوب کی جاتی ہے جو تثلیث سے مشتق ہے۔ تین ہم وزن مصرعوں کی صنف میں حمایت علی شاعر کا بہت سا کلام موجود ہے۔ جب کہ 'نظمانے' کی اصطلاح محسن بھوپالی کی اختراع ہے، جس پر ڈاکٹر شمع افروز نے عمدہ گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی اس لیے شامل کتاب ہیں کہ یہ مصنفہ کی ترجیحات میں شامل ہیں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ کتاب میں شامل تمام مضامین پر ڈاکٹر شمع افروز کے مطالعے کی روشنی، جدت طبع اور فکری احساس سنجیدگی کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا دکھائی دیتا ہے جو کتاب کو بحیثیت مجموعی عام پڑھنے والے کے لیے لائق مطالعہ بناتا ہے اور اس کتاب کا تحقیقی اور تنقیدی اسلوب اسے ہر سطح کے قاری کو اپنے دائرۂ اثر میں کھینچ لینے کا وصف رکھتا ہے۔

◆◆◆

نام کتاب : بَل أحياء
مؤلف : عبدالعلیم الاعظمی
اشاعت : جولائی 2026
ضخامت : 224 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : نگارشات بک اسٹور، دیوبند
تبصرہ نگار : محمد عاصم کمال اعظمی، قاسمی

E-mail: abuamrakamal@gmail.com

وطن، مذہب اور روایات کے تحفظ کی کوشش اور اُن کے دفاع کی جنگ ہر قوم اور ہر دور میں پسندیدہ عمل رہا ہے اور جو لوگ اس جنگ میں کام آئے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اُن کے کارناموں کو یاد رکھا جاتا ہے، اُنھیں مرتبۂ شہادت عطا کیا جاتا ہے، ان سے موسوم یادگاریں قائم کی جاتی ہیں، یوم شہادت منایا جاتا ہے، ان کی داستانِ عزیمت کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور ان کو محسن اور عظیم محافظ شمار کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'بَل احیاء' اُن چند اور نمایاں شہیدوں کا خوب صورت اور جامع تذکرہ ہے، جنھوں نے سرزمین فلسطین پر واقع 'غزہ پٹی' میں جاری اسرائیل اور حماس معرکے میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ کتاب کا یہ عنوان قرآن کریم کی اس آیت سے لیا گیا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے: وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. [سورہ آل عمران:169] اور جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کرنا؛ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے۔

گویا مرتبِ کتاب کے مطابق ان لوگوں کی اصل شناخت مجاہدین فی سبیل اللہ اور اسلام کی جنگ لڑنے والوں کی ہے اور یہ دعوا دلیل سے مطابقت بھی رکھتا ہے؛ کیوں کہ انھیں صرف وطن اور مکان سے سروکار نہیں ہے؛ بلکہ اہلِ غزہ کا جذبۂ جاں نثاری اسلام کی یادگار اور مسلمانوں کے قبلۂ اول (بیت المقدس) کی بقا وتحفظ سے وابستہ ہے، وہ مٹنے اور فنا ہونے کے لیے تیار ہیں؛ لیکن بابرکت خطے اور سرزمینِ قدس سے دست بردار ہونا کسی صورت منظور نہیں، یقیناً یہ ان کی قبلۂ اول سے محبت اور تعلق کی بات ہے اور دینی حمیت اور مذہبی غیرت کا ہی نتیجہ ہے اور اس جنگ کے دوران جس قسم کے احوال اور واقعات سامنے آرہے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کارگزاریاں مضبوط عقیدہ، پختہ ایمان اور خدائی انعام واکرام اور اس کی نوازشات پر بے پایاں یقین کا ثمرہ ہیں؛ حتی کہ بعض ایسے واقعات اور مثالی کارنامے بھی سامنے آئے جن سے دورِ اول اور دورِ صحابہ کی یاد تازہ ہوگئی۔

اہلِ غزہ کی ثبات قدمی، استقامت واستقلال دراصل ان کے قائدین اور ان کی نمائندہ شخصیات کی اعلا کارگزاریوں اور بہترین کارکردگیوں کے نتیجے میں ہے، جہاں ایک قائد کئی قائد پیدا کرتا ہے اور غزہ کی سرزمین باہمت اور بلند کردار افراد تیار کرتی ہے۔

مولفِ کتاب مولانا عبدالعلیم الاعظمی جواں سال اور جواں ہمت ہیں، لکھنے پڑھنے کا خاص ذوق رکھتے ہیں، سنجیدہ اور مستقل مزاج ہیں، ان کو قضیۂ فلسطین سے گہری دلچسپی اور وابستگی ہے، خصوصا معرکہ 'طوفان الأقصیٰ' (۷/ اکتوبر ۲۰۲۳ء) کے بعد ان کی دلچسپی اور تعلق مزید سامنے آیا، جب یہ واقعہ پیش آیا تو بہت سے ان لوگوں کی بھی دلچسپیاں بڑھیں جن کے لیے قضیۂ فلسطین خاص توجہ کا حامل نہ تھا اور وہ اہلِ غزہ کی فتح یابیوں سے خوش ہوئے اور ان پر کیے جارہے ظلم وستم، جبر وسفاکیت، نسل کشی اور جارحیت سے رنجور وکبیدہ خاطر ہوئے۔ مؤلف موصوف اس سلسلے میں مکمل نظر جمائے ہوئے ہیں اور ہر چھوٹے بڑے معاملے پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور درست معلومات حاصل کرنے اور معتبر ذرائع سے وہاں تک رسائی کی کوشش میں رہتے ہیں اور اپنے اخاذ ذہن سے اپنی معلومات اور تجربات کی روشنی میں تجزیہ بھی پیش کرتے رہتے ہیں؛ چناں چہ انھیں تجزیوں کا ایک دستاویز 'حماس اسرائیل جنگ: حقائق وشواہد' (ضخامت: 357 صفحات) کے عنوان سے ان کے قلمِ نو وارد سے معرضِ وجود میں آیا اور تالیف کے ساتھ مولف نے بھی شہرت اور قبولیت کے بہت سے منازل طے کر لیے اور اہلِ علم اور اصحابِ فکر ودانش کی جانب سے داد تحسین حاصل کی۔

مذکورہ کتاب (بل احیاء) اپنے نام کی طرح ایک انوکھی اور بہترین تحریر ہے، جس میں مولف نے قضیۂ فلسطین سے براہِ راست تعلق رکھنے والے یا غزہ کے ان جیالوں اور میدانِ کار کا تذکرہ جمع کیا ہے جو ملک، وطن اور مذہب وروایات کی پاس داری میں دار فانی سے اوجھل ہو کر دار باقی میں زندہ اور بلند مقام پر فائز ہوگئے ہیں اور انھوں نے اپنی جان، مال، اہل وعیال اور سب متاع زندگی قربان کر کے یہ پیغام دیا کہ:

— قضیہ فلسطین ہمیشہ زندہ رہے گا اور یہ جد وجہد آزادیِ وطن تک جاری رہے گی۔
— جو لوگ اپنے لیے نہیں؛ بلکہ ملک ومذہب کے لیے جیتے ہیں وہی سرفراز وسربلند ہوتے ہیں۔
— اس دنیا میں سب کو فنا طاری ہوگا، نہ ظالم کے ظلم کو دوام حاصل ہے اور نہ مظلوم کی لاچاری وبے بسی ہمیشہ قائم رہے گی۔
— مرد اور مسلمان مرد وہ ہے جس میں غیرت ہو، حمیت ہو اور جذبۂ حریت ہو۔
— درحقیقت معاملہ یہ ہے کہ: **وإن تصبروا وتتقوا لا يضركم كيدهم شيئا۔**

اس قافلۂ شہدا اور وطن کی پاسداری اور وطن کی آزادی کے لیے تن من دھن لگانے والے عظیم انسانوں میں مختلف طبقات، مختلف پیشوں اور مختلف صلاحیت کے لوگوں کی شمولیت ہے، جن میں بنیادی طور پر اخلاص، توکل، عزیمت اور استقامت کا وصف نمایاں طور پر موجود ہے۔

میں نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، کتاب سے مستفید ہوا، کتاب ظاہری ومعنوی خوبیوں سے بھرپور ہے۔ اس کتاب نے قضیۂ فلسطین کے ان جاں بازوں اور ملک ومذہب کے نام پر جامِ شہادت نوش کرنے والوں سے محبت اور ان کی قدر میں اضافہ کیا ہے۔

خدا کرے کہ عزیز موصوف کا قلم یوں ہی جاری وساری رہے، مستقبل میں ان سے اہم پیش رفت کی امید ہے۔ ◆◆

شبلی کی تحریکی حسیت اور اس کے اسباب و محرکات

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایک صدی پہلے کا قصہ ہے، آج زمانے کی نیرنگیاں دیکھیے کہ ہم اپنی آزاد حکومت میں رہتے ہوئے بھی وقف کے مسائل سے دوچار ہیں، حکومت کے طرزِ عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان مسائل ومعاملات کو حل بھی نہیں ہونے دینا چاہتی اور اس کا رویہ حکومت ورعایا کا نہیں بلکہ کسی مخالف سے معاملہ ہے۔

12- **تحریکِ تعطیلِ جمعہ**

تحریک وقف علی الاولاد میں کامیابی کے بعد علامہ شبلی نے تعطیل جمعہ کے لیے ایک تحریک چلائی۔ سب سے پہلے انھوں نے اپریل 1912 کے سالانہ جلسہ ندوۃ العلماء میں اس کے متعلق ایک قرارداد پیش کی جو منظور ہوئی، اس کے بعد ایک یادداشت مرتب کی جو مقالات شبلی ہشتم میں شامل ہے، اس کے اہم نکات یہ ہیں:

1- جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جو معذور ومجبور نہ ہو، فرض ہے قطعی ہے۔
2- چناں چہ جمعہ کی فرضیت کا حکم قرآن پاک میں مذکور ہے۔
3- اس نماز کی اہمیت کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام اسلامی سلطنتوں اور ریاستوں میں اس دن تعطیل ہوتی ہے۔
4- یہاں تک کہ ہندستان کی اکثر ہندو ریاستوں میں بھی باوجودیکہ وہاں مسلمان ملازموں کی تعداد نسبتاً کم ہے، اس دن تعطیل ہوتی ہے۔
5- انگریزی عملداری کے شروع میں چوں کہ مسلمانوں کو یہ خیال تھا کہ انگریزی حکومت ایک غیر حکومت ہے۔ وہ ہمارے مذہبی فرائض کا لحاظ کیوں کر کرنے لگی، اس لیے انھوں نے اس درخواست کی ہمت نہیں کی، لیکن بعد کو مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی انصاف پسندی کا جیسے جیسے تجربہ ہوتا جاتا ہے، ان کی یہ خواہش بڑھتی جاتی ہے کہ وہ اس ضروری فرض کے ترک کی طرف گورنمنٹ کو متوجہ کریں۔
6- آئندہ جیسے جیسے تعلیم بڑھتی جائے گی، مسلمان سرکاری ملازموں کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی اور اسی مناسبت سے نمازِ جمعہ کی تعطیل کا مسئلہ بھی روز بہ روز اہم ہوتا جائے گا۔

علامہ شبلی کے اسی مضمون کو سامنے رکھ کر انگریزی میں ایک میمورِیل تیار ہوا اور تحریک وقف علی الاولاد کی طرح اس پر بھی مسلمانوں کے دستخط کی بات چھڑی۔ علامہ شبلی مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تعطیل جمعہ کی نسبت جا بہ جا کچھ کارروائیاں ہو رہی ہیں، آپ اخباروں میں پڑھتے ہوں گے، لیکن جب تک وقف علی الاولاد کی طرح متحدہ، پرزور اور وسیع طریقے سے باضابطہ کارروائی نہ کی جائے گی، کامیابی نہ ہوگی، میں نے انگریزی میں میمورِیل لکھوایا ہے اور اس کو چھپوا کر دستخطوں کے بہم پہنچانے کی کارروائی شروع کرنی چاہتا ہوں، لیکن اس معاملے کو آخر تک پہنچانے کے لیے کم از کم چار پانچ سو روپے کی رقم درکار ہوگی، آپ اس سرمایے میں جو کچھ عنایت فرما سکیں، مطلع فرمائیں۔'' (مکاتیب شبلی جلد اول، ص: 194)

جلد ہی رقم بھی قوم نے مہیا کر دی۔ چناں چہ علامہ شبلی نے کام آگے بڑھایا، اسی زمانے میں مارچ 1913 میں مسٹر غزنوی (بنگال کے ممبر) نے بنگال کونسل میں اس کے متعلق گورنمنٹ سے سوال کیا، سرکاری ممبر نے اس کا جواب تشفی بخش دیا اور گورنمنٹ بنگال نے نمازِ جمعہ کے لیے دو گھنٹے کی چھٹی منظور کی۔ (حیات شبلی، ص: 520)

علامہ شبلی آدھے دن کی چھٹی چاہتے تھے اور بہت سے عمائدین کا خیال تھا کہ بس اس قدر کافی ہے، مختلف الخیال ہونے کے باوجود تعطیلِ جمعے کے لیے مزید کوششیں ہوئیں لیکن اس کے بعد علامہ شبلی نے رختِ سفر باندھا اور اپنے مالک حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ ان کے بعد یہ تحریک مزید آگے نہ بڑھ سکی۔

13- **تحریک اوقاف اسلامی**

تحریک وقف علی الاولاد کے زمانے میں علامہ شبلی کو وقف علی الاولاد کی بربادی کے ساتھ عام اوقاف اسلامی کے تلف ہونے اور اس کی تباہی کا علم ہوا، مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''وقف علی الاولاد کے سلسلے میں ان کو اسلامی اوقاف کی جو کیفیت معلوم ہوتی رہی اس سے ان کے دل کا زخم اور بڑھتا رہا اور خصوصیت کے ساتھ اس لیے کہ اوقاف کی کثیر رقم بیکار پڑی رہنے کے باوجود قومی اور مذہبی ضرورتوں کے واسطے جس مشکل سے ایک ایک جیب سے ایک ایک دانہ جمع کر کے انبار لگانا پڑتا ہے اس سے خوب واقف تھے۔ غرض ان مختلف اسباب سے مولانا نے وقف علی الاولاد کا کامیابی کے بعد عام اسلامی اوقاف کے حسن انتظام واہتمام کی توجہ فرمائی۔''

(حیاتِ شبلی، ص: 521)

اس اہم ملّی کام کی جانب علامہ شبلی سے پہلے بھی بعض حسّاس بزرگوں، انجمنوں اور جماعتوں نے توجہ کی تھی مگر ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوسکی تھیں، اس میں مسلم لیگ بھی شامل تھی۔ اس کے بعد علامہ شبلی نے کوششیں شروع کیں، چناں چہ سب سے پہلے انھوں نے اخبارات میں ایک مراسلہ شائع کرایا، ان کا خیال تھا کہ ایک مختصر سی کمیٹی بنائی جائے جو اس کی دیکھ ریکھ کرے۔ ایک میمورِیل تیار کیا جائے جس پر کثرت سے مسلمانوں سے دستخط کرائے جائیں اور گورنمنٹ میں پیش کیا جائے۔ ابھی یہ تمام کارروائیاں شروع ہی ہوئی تھیں کہ گورنمنٹ نے ایک یادداشت شائع کی۔ علامہ شبلی 16 فروری 1914 کو مولانا شروانی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ع: انچہ استاد ازل گفت ہمی گویم

آپ نے دیکھا ادھر اوقاف اسلامی کی تحریک ہوئی، ادھر گورنمنٹ نے یادداشت شائع کی اور ایک کانفرنس اسی مہینہ میں بیٹھانے والی ہے، خیر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے۔

ع: آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے''

(مکاتیب شبلی اول، ص: 112)

علامہ مرحوم نے اسی سنہ میں وفات پائی اور ان کے اور بہت سے کاموں کی طرح یہ کام بھی تشنۂ تکمیل رہا، لیکن آگے کیا ہوا اس کی تفصیل مولانا سیّد سلیمان ندوی نے لکھی ہے:

''لیکن افسوس کہ اسی سال مولانا کا انتقال ہوگیا، تاہم اوقاف کی نگرانی اور انتظام کے متعلق جو تحریک چل چکی تھی وہ مردہ نہیں ہوئی، خود گورنمنٹ نے اور صوبے کی اسمبلیوں اور کونسلوں نے اس کو جاری رکھا اور بالآخر مختلف صوبوں میں اس کے لیے پہلے تحقیقاتی کمیٹیاں قائم ہوئیں اور ان کی سفارش سے نگرانی اور حسابات کی پڑتال کی ایک صورت قائم ہوگئی، گو مولانا کی خواہش اور مسلمانوں کے مطالبے سے وہ بہت کم ہے، اسی طرح ہندوستان میں صدر الصدوری یا شیخ الاسلامی یا امارت شرعیہ کی جو تحریکیں بعد کو اٹھیں وہ بھی اسی تجویز کی صدائے بازگشت ہے۔'' (حیات شبلی، ص: 523)

(باقی آئندہ)

بزرگ شاعر عشرت قادری کا شعری آہنگ

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

اور رمزیہ اسلوب میں اپنے عہد کے مسائل، قدروں کے زوال اور دوست کشی کی مرقع نگاری کی ہے۔ کہیں کہیں زندگی سے وابستگی اور اُس کو جی جان سے چاہنے کے باعث اُن کا اظہار شدید بھی ہوجاتا ہے مثلاً:

اے دوستو! شہِ رگ میں چبھوتے رہو نشتر
زِندہ ہوں میں جب تک مجھے فن کار نہ مانو

چہروں پہ رمق اور نہ جنبش ہے لبوں کو
ہر شخص ہمیں نقش بہ دیوار ملے ہے

تم کو دعویٰ ہے بہت بخیہ گری کا، لیکن
ایک دو چاک گریباں کے سیئے ہوں تو کہو

شعر کو پرکھنے کے لیے دو اہم معیار، خیال اور اسلوب ہیں۔ 'سحر نما' کا کلام جہاں زندگی کے بعض حقائق، تجربات اور محبت کی وارفتگی سے عبارت ہے وہیں اِس میں لذتِ بیان کا پہلو بھی نمایاں ہے، کہیں کہیں تو اِس میں کسی صاحبِ دل کے فیضِ باطن کی جلوہ طرازیاں بھی نظر آتی ہیں اور اس میں بیان کیا گیا خیال ماخذ کا پتا دیتا ہے اور حقائق کا ذکر بھی نہایت معصومانہ انداز سے ہوجاتا ہے:

رسمِ محبت سہل نہیں ہے
ایک جلے ہے ایک جلائے

عُنقا ہے بہت جنسِ وفا شہرِ طرب میں
اب چارہ گری ہے نہ مسیحا نفسی ہے

درد مندی رہی حساس دلوں کا شیوہ
صرف اپنے لیے اک لمحہ جیئے ہوں تو کہو

'سحر نما' کا مکمل جائزہ کافی تفصیل طلب ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عشرتؔ قادری کی غزلیں تمام ظاہری خوبیوں اور معنوی گہرائی سے آراستہ ہیں، اُن کی زبان بڑی رواں ہے الفاظ کے تو وہ صحیح معنوں میں مزاج داں ہیں اور اندازِ غزل گوئی بھی بہت منظّم ہے۔ خیالات و مضامین کے اعتبار سے اُن کی غزلوں کا افق وسیع ہے جس میں عصرِ حاضر کے مسائل کے ساتھ ساتھ حالات کا ردِّ عمل بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

20-گھاٹی بھڑبھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

بزرگ شاعر عشرتؔ قادری کا شعری آہنگ

عارف عزیز

بعض شخصیتوں میں ایک طرح کی خوشبو ہوتی ہے جو ہر ملنے جلنے والے کو فوراً متاثر کر دیتی ہے وہ خوشبو اعلیٰ خیالات کی ہو یا اچھے نظریات کی، صلابتِ کردار کی ہو یا خوش اخلاقی کی، اسے خوشبو نہ کہہ کر شعاع سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ہر آدمی سے ایک مخصوص شعاع نکلتی ہے۔ اگر وہ اچھی ہے اور دوسروں کو پسند بھی ہے تو وہ صرف شعاع نہیں رہتی خوشبو کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس لیے بعض اوقات ملنے والا اپنے ملاقاتی سے پہلی ہی نظر میں متاثر ہو جاتا ہے کیوں کہ پیش رو کی شخصیت سے جو شعاع نکل رہی ہوتی ہے وہ اُس کے لیے سحر انگیز ہوتی ہے۔

ایسی ہی ایک جاذبِ نظر شخصیت کو ہند و پاک کے ادبی حلقے عموماً اور اہلِ بھوپال خصوصاً عشرتؔ قادری کے نام سے جانتے ہیں اور اردو زبان و ادب کے خدمت گاروں میں شمار کرتے ہیں۔ 'سحر نما' عشرتؔ قادری کی غزلوں اور نظموں کے اُس مجموعے کا نام ہے جو تیس سال پہلے مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کے زیرِ اہتمام منظرِ عام پر آیا تھا۔ عشرتؔ قادری اور اُن کے کلام کو میں چالیس پچاس سال سے پڑھ رہا ہوں۔ وہ اپنی زندگی میں جتنے با اخلاق، نرم رو اور پُر عزم تھے اُن کی شاعری میں بھی وہی نرم روی، عزم پرستی اور ادبی و اخلاقی بلندی ملتی ہے۔ اردو شاعری گذشتہ چار پانچ دہائیوں میں جس شکستن کی گردان سے گزر رہی ہے اس میں چاہے سب کچھ ہو 'یافتن' بمشکل ہی کسی صیغے میں نظر آیا۔ اِس عرصے میں بہت کم شعرا ایسے دکھائی دیتے ہیں جو جدیدیت کے طوفان سے دو چار ہو کر ادب کی صحیح و سالم اقدار کی منزلوں سے گزر گئے۔ عشرتؔ قادری بھی اِس طوفان سے آشنا ہوئے، اُن کے دامنِ شاعری پر بھی کچھ نئے رنگ لہرائے لیکن جذبات و تخیلات کی پاک دامنی برقرار رہی، اس دامنِ تر کا کیا کہنا جسے 'نچوڑا جائے تو فرشتے وضو کریں'۔

ہر دور کے شعر و ادب کا اپنے زمانہ ماقبل کے مقابلے میں جدید ہونا ضروری ہے، لیکن یہ جدت اتنی بے ساختہ، خوش رنگ اور غیر محسوس ہو کہ ماضی سے وابستہ زنجیروں کی شکست و ریخت کی صدا رقصِ نو میں بدل جائے۔ اس اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ عشرتؔ قادری اردو کے اُن چند شاعروں میں ہیں جن کی شاعری کو قدیم و جدید کے لطیف امتزاج کا نام دیا جا سکتا ہے کیوں کہ انھوں نے جہاں کلاسیکی شاعری کی زندہ و توانا اور مثبت روایات سے اپنے فن کے چراغ روشن کیے ہیں وہیں عصری زندگی کے آگہی کے کرب کے سے احساس اور اظہار کو تازگی بخشی ہے۔ اُن کی شاعری کو ہم قدیم و جدید کے بجائے 'ترقی پسند' شاعری سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے مطالعے کے دوران قاری کی فکر اُسے شاعر سے دور نہیں کرتی بلکہ اور قریب لے آتی ہے کیوں کہ اُسے یہاں وہ سارے اجزا ملتے ہیں جو کلامِ موزوں کو شعر کا درجہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عشرتؔ قادری کے ایک ہاتھ میں ہمیں روایت کا دامن دکھائی دیتا ہے تو دوسرے میں مقصدیت کا پرچم بلند نظر آتا ہے۔ انھوں نے شعری سمندر کے ساحل سے سیپیاں سمیٹنے کے بجائے فکر و فن کی عمیق گہرائیوں سے ایسے گوہر آبدار چن کر 'سحر نما' کے صفحات پر سجا دیے جنھیں دیکھ کر نگاہِ ذوق خیرہ ہو جاتی ہے۔ چند اشعار کی تب و تاب ملاحظہ ہو:

زیست صدیوں سے یوں ہی گرمِ سفر ہے پیہم
ختم ہوتا پہ نہیں سلسلۂ راہِ دراز

سورج کو مرے شہر سے ہے کتنا تعلق
مشکل سے کہیں سایۂ دیوار ملے ہے

آفرینش سے عناصر کے بکھر جانے تک
خود نمائی کا تسلسل ہے نقابوں کی طرح

یہ اور اس طرح کی دوسری غزلوں کے اشعار عشرتؔ قادری کو مدھیہ پردیش کے نقشے پر ایک قد آور شاعر کا درجہ دیتے ہیں اور وہ جس مقام پر ہیں وہاں نگاہیں خود بخود پہنچ جاتی ہیں۔ انھیں تلاش کرنے کے ضرورت اس لیے پیش نہیں آتی کہ وہ قارئین کے ذہن پر پہلے سے موجود ہیں۔ اُن کے فکر و فن کے حامل کچھ اشعار اور دیکھیے:

پگھل نہ جائے انا شدتِ تمازت سے
گراں ہے طبعِ خریدار کم عیار ہوں میں

مر جاؤں گا در یوزگی شیوہ بنی جس دن
یہ بات الگ ہے مجھے خود دار نہ مانو

کبھی بھول کر اپنا چہرہ بھی دیکھیں
جو لوگوں کو آئینہ دکھلا رہے ہیں

پھر اک خراش ڈال دی وضعِ خلوص نے
پھر داغِ دوستی نئے سر سے ہرا ہوا

نہ دے سکے مجھے اک لمحہ فرصتِ طاعت
الٰہی آتشِ دوزخ میں سب عذاب جلا

'سحر نما' کے صفحات پر محبت بھرے دل کی دھڑکن بھی سنائی دیتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محبت کے تقدس نے قرطاس کا جامہ پہن لیا ہو مگر اس کا انداز سرگوشی کا سا ہوتا ہے:

لبوں سے حرفِ تمنّا ادا ہوا بھی نہ تھا
سمٹ کے آ گیا سارا حجاب آنکھوں میں

اجنبی لوگ بھی ملتے ہیں شناسا کی طرح
میرے چہرے پہ ترا نام لکھا ہو جیسے

اک ربطِ خاص تجھ سے رہا مدتوں مگر
وائے نصیب، کر نہ سکے ہم کلام تک

آئینہ در آئینہ ہے اُس کا عکس
دل میں رہ کر آنکھ سے مستور ہے

کس کے رخسار کی یہ جھلک پڑ گئی
زیست کے بام و در جگمگانے لگے

عشق و محبت کی طرح غم کے مختلف پہلو بھی عشرتؔ قادری کی شاعری کا اہم عنصر ہیں اور اُن کا اسلوب شعر، زبان و بیان پر قدرت۔ فنِ عروض پر استادانہ دسترس، اس کی باریکیوں سے غیر معمولی آگاہی اردو شاعری کی روایات کا گہرا شعور، پختگی، ٹھہراؤ اور رچاؤ ان سب کے جلو میں عصری قدروں کا احساس، پاس اور لحاظ نے بحیثیت مجموعی اُن کے رنگ کو اس حد تک پختہ بلکہ یکجا کر دیا ہے کہ اشعار 'من تو شدم، تو من شدی' کی تفسیر بن گئے ہیں:

ہر ایک غم سے برسرِ پیکار ہے حیات
اک آرزوئے صبحِ طرب آشنا لیے

بھولا نہیں احساس ترے لمس کی خوشبو
تنہائی میں انفاس مہکتے ہوئے دیکھا

کارگاہِ غمِ ہستی کی حدوں سے آگے
وسعتیں ڈھونڈتی ہے فکر و نظر کی پرواز

عشرتؔ قادری کی انفرادیت اس میں ہے کہ انھوں نے موضوعاتی شاعری سے گریز کیا ہے لیکن اشاراتی، کنایاتی انداز ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***